© rasailojaraid.com

تبصرہ کتب

Christian - Muslim Dialogue in Pakistan
(پاکستان میں مسیحی - مسلم مکالمہ)

مؤلف : فادر جیمز چنن

ناشرین : ڈومینیکن وائس پراولس، ابن مریم، پاکستان
قومی کمیشن برائے مسیحی - مسلم روابط، پاکستان

سالِ اشاعت : ۱۹۹۵ء

صفحات : ۱۹۴

قیمت : ۱۵۰ روپے

مؤلف کے نام کے ساتھ لفظ "فادر" کے سابقے سے واضح ہے کہ وہ کیتھولک مذہبی رہنما ہیں اور کتاب کی "تعارفی و تعریفی" تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے "پاکستان ایسوسی ایشن آف انٹر ریلیجس ڈائیلاگ" کے لیے اپنا وقت اور توانائیاں صرف کی ہیں۔ مکالمہ بین المذاہب کے فروغ سے دلچسپی رکھنے والے کارکن اور پاکستانی مسیحی رہنما کی حیثیت سے اُنھوں نے وقتاً فوقتاً جو مضامین لکھے یا رسائل و جرائد کو انٹرویو دیے، زیر نظر مجموعے میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔ چونکہ مختلف اوقات میں ایک ہی موضوع پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے، اِس لیے تکرار کی موجودگی تعجب خیز نہیں۔ مکالمہ بین المذاہب اور مسیحی برادری کے حوالے سے تحریروں پر گفتگو کرنے سے پہلے اُن تین مضامین کی طرف اشارہ ضروری ہے جو براہ راست موضوعِ کتاب سے متعلق نہیں۔ ایک طویل مضمون "اسلام میں تصوّر شفاعت" پر لکھا گیا ہے اور دو مختصر مضامین مسیحی تہواروں —— ایسٹر اور کرسمس —— کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ اسلام میں تصوّرِ شفاعت پر لکھتے ہوئے مؤلف نے براہ راست مسلم اہلِ قلم سے استفادہ نہیں کیا بلکہ اِس موضوع پر مسیحی اہلِ علم کی معروف کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور شاید اِسی لیے وہ "شفاعت" اور "وسیلہ" کے تصوّرات میں امتیاز نہیں کر سکے۔ مثال کے طور پر اُنھوں نے "شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

وہابی تصوّرِ شفاعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خدا کے سوا کسی کی شفاعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلاش کرنا شرک ہے۔

مگر امام محمد بن عبدالوہاب کی تالیف "کتاب التوحید" کے "باب الشفاعتہ" میں کہا گیا ہے کہ "نبی اکرم ﷺ کی شفاعت اُن کو حاصل ہو گی جو اپنے اعمال و افعال میں مخلص ہوں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، لیکن مشرکین کی شفاعت ہرگز نہ ہو گی۔" ["کتاب التوحید" (اُردو ترجمہ، عطا اللہ ثاقب)، لاہور: انصار السنتہ المحمدیہ (س-ن)، ص ۱۵۸-۱۵۹]

مسیحی - مسلم مکالمے یا بین المذاہب مکالمے پر گفتگو کرتے ہوئے مؤلف رواں "صورت حال سے مطمئن ہیں۔ مسیحی - مسلم مکالمے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مؤلف اگرچہ بہت پیچھے تک گئے ہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ اِس تحریک کا آغاز ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ہوا جب پوپ پال چہارم نے ۱۹ مئی ۱۹۶۴ء کو غیر مسیحیوں سے ربط ضبط بڑھانے کے لیے سیکرٹریٹ قائم کیا۔ (اِسی سیکرٹریٹ کو جون ۱۹۸۸ء میں "پاپائی کونسل برائے مکالمہ بین المذاہب" کا نام دیا گیا۔) پاکستان میں مسیحی برادری کی جانب سے ۱۹۸۵ء میں "قومی کمیشن برائے مسیحی - مسلم روابط" قائم کیا گیا جو پاکستان میں مسلم اکثریت اور مسیحی اقلیت کے درمیان افہام و تفہیم کا مقصد پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈومینیکن برادری کا قائم کردہ سنٹر اِسی مقصد کے لیے کوشاں ہے۔ ملتان میں پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ اور کراچی میں متعدّد ادارے کام کر رہے ہیں۔ مسلم اکثریت سے مکالمے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام کا بہتر طور پر علمی سطح پر مطالعہ کیا جائے، چنانچہ مسیحی دینیاتی اداروں میں زیرِ تربیت طلبہ و طالبات کو اسلام کا خصوصی مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ کرائسٹ دی کنگ سیمیزی (کراچی) میں مطالعۂ اسلام کا ایک جامع کورس چھ سال پر محیط ہے۔ مسیحی اہلِ علم کی جانب سے یہ تیاری اِس لیے ہے کہ اُن کی سوچ کے مطابق پاکستان میں مکالمے کے بغیر چرچ کی ترقی ناممکن ہے بلکہ چرچ کا سرے سے کوئی مستقبل ہی نہیں۔ (ص ۴۳)

مسیحی - مسلم مکالمے کے لیے مسلم تنظیمیں بھی متحرک ہیں۔ پاکستان ایسوسی ایشن آف انٹر ریلیجس ڈائیلاگ ۱۹۸۴ء سے اور "فیتھ اِن ایکشن گروپ" ۱۹۹۱ء سے کام کر رہا ہے۔ دونوں تنظیموں کا دائرہ کار لاہور تک محدود ہے، تاہم ملتان اور کراچی میں بھی مسلم اہلِ علم اپنی ذاتی حیثیت میں مکالمے میں شریک ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ان تنظیموں کو مسلمانوں کے مذہبی حلقے سے کوئی تعاون حاصل نہیں ہوا۔ اِس کا سبب کیا ہے؟ اہلِ درد کو یہ صورتِ حال دعوتِ فکر دیتی ہے۔

مؤلف نے مسیحی رہنما کی حیثیت سے پاکستان کی مسیحی برادری کے مسائل و مشکلات پر جو اظہار خیال کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کے مقصدِ وجود یعنی نفاذِ اسلام سے اتفاق نہیں رکھتے۔ وہ پاکستان کو ایک سیکولر - لبرل ریاست کی صورت میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"دلائل" دہراتے نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کے سیکولر - لبرل رہنما پیش کرتے رہتے ہیں۔ کاش وہ جوشوا فضل الدین جیسے بزرگ مسیحی رہنماؤں کے خیالات کو پیشِ نظر رکھتے۔ ۱۹۶۰ء میں جب محمد ایوب خان نے دستور ساز کمیشن مقرر کیا تو اس کے سوالنامے کا جواب دینے والوں میں جوشوا فضل الدین بھی شامل تھے۔ اُنہوں نے اِس سوال پر بحث کی تھی کہ پاکستان کے مجوزہ دستور کی بنیاد کیا ہونا چاہیے۔ اُنہوں نے واضح کیا تھا کہ قراردادِ پاکستان (مارچ ۱۹۴۰ء) کی رُو سے مملکتِ پاکستان کے دو بنیادی ستون ہیں۔

۱۔ مملکتِ پاکستان کی بنیاد مذہب اسلام پر ہوگی۔
۲۔ اقلیتوں کو تحفظات حاصل ہوں گے۔

جوشوا فضل الدین کے الفاظ میں مجوزہ آئین کو یہ دو بنیادی شرائط پوری کرنا تھیں۔ اُنہوں نے قائدِاعظم کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کے اقتباسات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تعبیر و تشریح میں انتہا پسندانہ روّیہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ جوشوا فضل الدین نے واضح کیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قائدِاعظم کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان سیکولر ریاست ہوگا، وہ سخت غلطی کا شکار ہیں۔ اُن کے الفاظ میں

> یہ کہنا کہ قیامِ پاکستان کے بعد قائدِاعظم نے، جو خود اس کے خالق تھے، اپنی پہلی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جِس سے اِس بات کا کوئی بعید سا امکان ہے کہ پاکستان کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی، بالکل پاگل پن ہے۔ قائدِاعظم نے اتنا ہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلالحاظ مذہب و ملت ہر ایک کو مساوی حقوقِ شہریت حاصل ہوں گے۔

جوشوا فضل الدین کے یہ خیالات اُن کے پمفلٹ Rationale of Pakistan's Constitution میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

چونکہ جناب جیمز چنن پاکستان کی اسلامی حیثیّت کے قائل نہیں، اِس لیے اُنہیں ہر وہ بات اچھی نہیں لگتی جِس سے "اسلامیّت" کا اظہار ہوتا ہو۔ اسی پسِ منظر میں اُنہوں نے مملکت کے دستوری نام (اسلامی جمہوریہ پاکستان)، صدر پاکستان کے لیے مسلمان ہونے کی شرط، ٹیلی وژن کے دینی پروگراموں، جداگانہ طریقِ انتخاب، قانونِ توہینِ رسالت اور شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج پر گفتگو کی ہے۔ وہ اکثر اپنی گفتگو میں ایک متحمل مزاج مذہبی رہنما کے بجائے ایک جوشیلے سیاسی کارکن نظر آتے ہیں۔ اور اِس ضمن میں اُنہوں نے اتنی بھی زحمت گوارا نہیں کی کہ پاکستان کی حالیہ تاریخ کا ذرا غیر جانبداری سے مطالعہ کر لیا جاتا۔ ایک سوال کے جواب میں جناب مؤلف فرماتے ہیں۔

> ۱۹۷۳ء میں پاکستانی ریاست کے سرکاری نام کو جمہوریہ پاکستان سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کر دیا گیا۔ اسی طرح ملک کے دستور میں تبدیلیاں کی گئیں، مثال کے طور پر کوئی غیر مسلم پاکستان کا صدر نہیں بن سکتا بلکہ اِس منصب کے لیے اُس کا نام سوچا بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں جا سکتا۔ (ص ۱۷۱)

جب کہ تاریخ پاکستان کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ جناب محمد ایوب خان نے مارشل لاء کے زیرِ سایہ جس دستور کا نفاذ کیا تھا، اِس میں کسی اسمبلی سے رائے لی گئی تھی اور نہ عوام کی رائے کو ہی اہمیّت دی گئی تھی۔ اُنہوں نے ۱۹۵۶ء کے دستور کے برعکس مملکت خداداد کو "جمہوریہ پاکستان" قرار دیا اور صدرِ پاکستان کے لیے مسلمان ہونے کی شرط حذف کر دی، مگر جب عوام کی رائے کو معمولی سی اہمیّت حاصل ہوئی تو ۱۹۶۲ء کے دستور میں ترمیم کرتے ہوئے مملکت کو دوبارہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کہا گیا اور صدر پاکستان کے لیے مسلمان ہونے کی شرط برقرار رکھی گئی۔ جہاں تک ۱۹۷۳ء کے دستور کا تعلق ہے، اُس وقت کے اور تاریخِ پاکستان کے (سب سے زیادہ سیکولر) حکمران ذوالفقار علی بھٹو نے کسی بزرجمہر کی ایسی رائے کو اہمیّت نہ دی جو مسلمانانِ پاکستان کی دینی اُمنگوں کے خلاف تھی۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں نہ صرف صدرِ پاکستان بلکہ وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کی گئی اور اِس کے ساتھ مسلمان کی تعریف بھی شامل کر دی گئی، تاکہ کوئی بزعم خود "مسلمان" مسلمانانِ پاکستان کو دھوکہ نہ دے سکے۔

تبصرہ نگار کی رائے میں مسیحی - مسلم مکالمے سے دلچسپی رکھنے والوں کو جناب جیمز چنن کی کتاب کا جائزہ لینا چاہیے اور اِس سوال پر غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ افکار، جن کا مظہر زیرِ تبصرہ کتاب ہے، کسی حقیقی مسیحی - مسلم مکالمے میں کوئی مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں؟ اور غریب مسیحی برادری کے مسائل حل کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں؟ (مدیر)

مراسلت

محب الحق صاحبزادہ (اسلام آباد)

اس وقت اگست ۹۵ء کا شمارہ زیرِ نظر ہے۔ صفحہ ۲۴ پر "قانونِ توہینِ رسالت اور اُس کی محدودیت" (از ماہنامہ کلامِ حق) کے سلسلے میں ایک گذارش ہے۔ آپ کی تعارفی تشریح میں اسے "واعظانہ ترغیب و ترہیب" کا نام ملا۔ مسلمانوں کی عام بد عملی اور سرکشی کی کیفیّت پر ایسی گرفت کسی بھی حلقہ سے ہو، صحیح بھی ہے اور شکریے کے ساتھ قبولیّت کی مستحق بھی، لیکن تحریر کا مجموعی تاثر کچھ اور ملتا ہے۔ یہاں ایک غلط کاری کو دوسری غلط کاری کا جواز بنایا جا رہا ہے۔ "محدودیت" کی چوٹ میں بہ ظاہر جذباتی اپیل ہے، لیکن ایسے دلائل کو وزن ملے تو نتیجہ الٹا نکلے گا --- یعنی یا تو سب مسلمانوں کو (احکام رسول ﷺ سے روگردانی پر) توہینِ رسالت کے تحت سزا دو ورنہ ۲۹۵ - سی کو بھی ختم کر دو۔

© rasailojaraid.com